محمد حنیف ندوی

ایک آیت

ان اللہ لا یستحی ان یضرب مثلا ما بعوضۃ فما فوقھا فاما الذین اٰمنوا فیعلمون
انہ الحق من ربھم واما الذین کفروا فیقولون ماذا اراد اللہ بھذا
مثلا یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا وما یضل بہ الا الفاسقین ۔

اللہ تعالیٰ (اس سے) نہیں جھینپتا کہ کوئی مثال بیان کرے چاہے یہ مثال مچھر ہی کی ہو۔ یا اس سے بھی بڑھ کر کسی حقیر شے کی ہو۔ جو لوگ ذوقِ ایمان سے بہرہ مند ہو چکے ہیں وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک اور برمحل ہے اور ان کو اس کا بھی یقین ہے کہ یہ ان کے پروردگار کی طرف سے ہے۔ اور جو منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے اس مثال سے کیا بیان کرنا چاہا ہے۔ اللہ بہتیروں کو ایسی مثالوں سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت دیتا ہے، اور گمراہ کرتا بھی ہے تو ان کو جو فاسق اور بدکار ہیں "

ترجمہ پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت میں یا پورے قرآن میں کہیں ایسی مثال بیان کی گئی ہے جس پر منافقین و معاندین نے یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کے اظہار سے کیا فائدہ۔ قرآن کا منصب تو یہ چاہتا ہے۔ کہ یہ صرف عقاید کی وضاحت کرے۔ اصول اور بنیادی مسائل کی تشریح تک اپنے کو محدود رکھے۔ کیونکہ محقرات امور سے تعرض کرنا اس کے شایانِ شان نہیں ہے۔

قرآن کا جواب یہ ہے۔ کہ کسی مسئلہ کا چھوٹا ہونا، یا کسی مثال کا حقیر ہونا محض اضافی چیز ہے۔ دیکھنے کی شے یہ ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے اور جس مقصد کے لئے کہا گیا ہے۔ اس کے بارے میں وہ کس قدر کامیاب ہے۔ اگر اس سے وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تب اس کا استعمال قطعی موزون ہے۔ ورنہ اعتراض کی گنجائش البتہ نکلتی ہے۔ واقعات یہ ہیں، کہ ہر آیت جب اس ڈھب کی نازل ہوتی ہے۔ تو ان لوگوں کی کیفیاتِ ایمانی میں بدرجہ غایت اضافہ و برکت کا باعث ہوتی ہے۔ جو ایمان کی مٹھاس سے آشنا ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے شکر گزار بندے ثابت ہوں۔ رہے منکر یا منافق تو ان کے اعتراض کی یوں کوئی اہمیت نہیں، کہ اس کا منشاء علم صحیح یا ذوقِ صحیح نہیں۔ بلکہ فسق و فجور کی زندگی ہے ـــــ قرآن نے یہ کہہ کر کہ ما یضل بہ الا الفسقین حقیقت یہ ہے کہ بڑے پتہ کی بات بتا دی ہے، عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے، کہ شک و ارتیاب کی ہر خلش جب دل میں پیدا ہوتی ہے اور الجھن میں ڈالتی ہے، تو اس کا سبب لامحالہ عقلی ہی ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ قرآن کا تجزیہ اس سلسلہ میں یہ ہے، کہ بظاہر اگرچہ شک و ارتیاب کا روپ عقلیت لئے ہوئے ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ کی غیر عقلی ہیئت نے دل و دماغ میں کھلبلی پیدا کی ہے۔ مگر

حقیقت صرف اس قدر ہوتی ہے۔ کہ ایک شخص چونکہ فسق و فجور کی زندگی کو پہلے سے اپنا لیتا ہے۔ منکرات و فواحش کی بعض صورتوں کا عادی ہوجاتا ہے۔ اور سیرت و عمل کی بعض کمزوریوں کا شکار ہوچکتا ہے۔ اس لئے قدرتاً یہ چاہتا ہے۔ کہ اب ان خواہشاتِ نفس کو حق بجانب ٹھہرانے کے لئے کوئی نظریہ حیات میسر آئے، تاکہ زندگی اور قلب میں جو ایک خلش اور الجھن ہے، وہ دُور ہو۔ اور اطمینان سے زندگی کے مشغلہ کو جاری رکھ سکے ——— وہ مثال کیا ہے، جس سے ٹھوکر لگی اور مخالفوں کو اس اندازِ بیان پر اعتراض کرنے کا موقع ملا۔ اس میں اہلِ تفسیر کے تین قول ہیں :

پہلا، حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود اور بعض صحابہ سے منقول ہے۔ کہ منافقین اور کفار کی نفسیات کفر و نفاق کو واضح کرنے کے لئے جو اس سے قبل کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آگ جلانے والے کی مثال بیان کی یا زور دار بارش کا ذکر کیا اور بتایا کہ ان کی حالت اس کیفیت سے ملتی جلتی ہے، تو یہ تشبیہ چونکہ ان کی روش پر پوری طرح روشنی ڈالتی تھی اور ان کی مطویاتِ قلب کی نشان دہی کرتی تھی، اس لئے انہیں محسوس ہُوا کہ قرآن نے گویا اس روگ کو واشگاف طور پر بیان کر دیا ہے۔ جس کو وہ مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل رکھنا چاہتے تھے، اس لئے اور تو کوئی بات سوجھی نہیں یہ کہہ کر دل کی جلن دور کی کہ قرآن کو یہ کب زیب دیتا ہے کہ وہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں بیان کرے۔ اور ایسی ایسی تشبیہات سے کام نکالے، جو پیش پا اُفتادہ اور معمولی ہیں۔

دوسرا، بعض کا ذہن ادھر منتقل ہُوا کہ اللہ تعالےٰ نے اُمم سابقہ کی ہلاکت کا ذکر کرتے ہوئے جب فرمایا، کہ ان کو ڈھیل دی گئی، اور ان پر آسائش و راحت کے تمام دروازے کھول دیئے گئے۔ یہاں تک کہ جب تکلف اور ٹھاٹھ کے اس انداز پر وہ مطمئن ہوگئے۔ تو ہمارے عذاب نے انہیں آلیا۔ تو اس کے معنے یہ ہوئے کہ دُنیا اور اس کی نعمتوں کو مچھر کی زندگی سے تشبیہ دی گئی۔ کیونکہ اس کے متعلق یہ مشہور ہے، کہ جب تک بھوکا رہتا ہے، زندہ رہتا ہے۔ جب سیر ہوتا ہے، تو موت اسے آگھیرتی ہے۔ نجی ماجاعت فاذا سمنت ماتت، اشارہ سورۂ انعام کی اس آیت کی طرف ہے :

فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شیٔ حتیٰ اذا فرحوا بما اوتوا اخذنٰھم بغتۃ فاذا ھم مبلسون۔

پھر جس سے ان کو آگاہ کیا گیا تھا، جب اس کو بھول بسر بیٹھے، تو ہم نے ان پر دنیاوی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے، یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں، جب ان کو پاکر خوش ہوئے، تو ہم نے انکو اچانک دھر پکڑا، اس وقت ان کی مایوسی دیکھنے کے لائق تھی۔

تیسرا، قتادہ کی رائے ہے، اس سے مراد وہ تشبیہات ہیں، جن میں مکڑی اور مکھی کا تذکرہ ہے۔ لیکن نفسِ مضمون پر غور کیجئے گا، جس کو بیان کرنا مقصود ہے، تو معلوم ہوگا کہ اس سے زیادہ بلیغ پیرایہ بیان شرک کی بیچارگی اور بودا پن کو ظاہر کرنے کا اور ہو ہی نہیں سکتا ——— یہی وجہ ہے، قرآن حکیم یہ مثال بیان کرکے فرماتا ہے۔ وما یعقلھا الا العالمون۔ یہ تشبیہ

اتنی موزوں اور برمحل ہے۔ کہ اس سے اہلِ علم ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔۔۔۔ مکڑی کا گھر کون نہیں جانتا، کہ کتنا کمزور اور بودا ہوتا ہے۔۔۔۔ قرآن حکیم یہ کہنا چاہتا ہے، کہ جو مشرک رب السمٰوات کو چھوڑ کر دوسرے خداؤں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں ان کی مثال مکڑی کے گھر کی سی ہے، کہ اگرچہ ایک جھونکا ہوا کا اس کے تار و پود کو منتشر کر سکتا ہے، لیکن وہ ہے کہ اس کے باوجود اس میں پناہ گزین ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے۔ جو شرک و بُت پرستی کے کمزور سہاروں پر زندہ ہیں۔ آیت یہ ہے:

مثل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتاً وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون۔

ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو کارگر دوست ٹھہرایا، مکڑی کی طرح ہے جس نے نہایت ہی کمزور ٹھکانا اختیار کیا، اور گھروں میں بلاشبہ سب سے بودا گھر مکڑی کا ہے۔

مکھی کا ذکر سُورۂ حج میں آیا ہے اور ایسی موزونیت کے ساتھ کہ داد نہیں دی جا سکتی۔ مضمون یہی اہلِ شرک کی بے وقوفی اور ان کے برخود غلط خداؤں کی بے چارگی ہے۔ قرآن ہی کے الفاظ میں تشبیہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

یا ایھا الناس ضرب مثل فاستمعوا له ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذباباً ولو اجتمعوا له وان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منه ضعف الطالب والمطلوب۔

لوگو، تمہارے لئے ایک مثال بیان کی جاتی ہے، اسے توجہ سے سنو، جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، ان کی بے چارگی کا یہ حال ہے، کہ ایک مکھّی تک تو پیدا نہیں کر سکتے، اگرچہ اس مقصد کے لئے سب مل جائیں، اور متحد ہو کر کوشش کریں، اس سے بھی زیادہ یہ کہ مکھّی اگر ان کے کھانے پینے کی چیزوں میں سے کچھ چھین لے جائے، تو ان میں اس کو بچا لینے کی بھی مقدرت نہیں۔ طالب اور مطلوب دونوں کی یہ عاجزی و بے کسی تو دیکھو۔

چوتھا، تفسیر کے یہ تینوں پہلو صحیح ہیں۔ مگر مزید غور و فکر سے معلوم ہوگا کہ اس کے اور معنے بھی ہو سکتے ہیں۔ تفصیل یہ ہوگی کہ اس سے پہلے جہنّم کا ذکر ہے اور جنّت اور اس کے کوائف و لذائذ کا تذکرہ ہے۔ جنّت کے سلسلہ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اس میں عجیب غریب پھل اور میوے دئے جائیں گے، جو شکل و صورت میں اگرچہ بہت مشابہ ہونگے، لیکن لطف و مزے میں مختلف ہونگے۔ یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اہلِ جنّت کی خوشنودیِ مزاج کے لئے ان کی بیویاں بھی ان کے ساتھ رہیں گی۔ ممکن ہے کہ کفار کو اس پر اعتراض ہو، کہ کھانے پینے اور رہنے سہنے کی یہ کیفیتیں اعمالِ روحانی کا ثمر کیونکر ہو سکتی ہیں۔ یہ تو سراسر دنیائے دنی کی چیزیں ہیں اور لذتیں ہیں جو یہیں اُبھرتی ہیں اور یہیں ختم ہو جاتی ہیں۔ عاقبت و آخرت میں انعام کی یہ صورت قطعی نہ ہونی چاہئے۔ کیونکہ وہاں کے لذائذ کو اس عالم کے لذائذ سے کیا نسبت؟

فھی احقر من بعوضة بالنسبة الی الجنة ونعمائھا۔ یعنی جنت کے کوائف کو حقیر سمجھ کر

اعتراض کیا۔ اور کہا کہ قرآن ایسی اونچی اور بلند کتاب کو معمولی چیزوں کا تذکرہ جنّت کے سلسلہ میں نہ کرنا چاہیئے۔

اس پر قرآن نے یہ جواب مرحمت فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کو تو بہرآئینہ حق کا اظہار کرنا ہے! اوران تمام کیفیتوں کو بیان کرنا ہے، جس پر تمہارے کارخانہ فکروعمل کا دارومدار ہے۔ اگرچہ تم اسے بظاہر حقیر قرار دو، سمجھنے والے اور ایمان والے خوب جانتے ہیں، کہ یہ جو کچھ بیان کیا جارہا ہے صحیح ہے۔ اور ہمارے عندیات و مرغوبات کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی ہے۔ یعنی غور کیجئے گا اور انسانی ترغیبات کا جائزہ لیجئے گا۔ تو محرک اصلی زندگی کا یہی فراغت و آسائش کا جذبہ نکلے گا۔ یہی طلب ہے جس کے لئے صبح و مسا دیوانہ وار انسان مارا مارا پھرتا ہے، اور یہی وہ محور ہے، جس کے گرد اس کی تمام کوششیں گھومتی ہیں —— مگر جب قرآن یہ کہتا ہے، کہ گھبراؤ نہیں، یہ سب کچھ تمہیں ملے گا، بشرطیکہ تم مسلمان ہوجاؤ، اور اللہ اور اس کے رسول کی پیروی اختیار کرو جس کے لئے تم پریشان ہو اور حق کو نہیں مان رہے ہو۔ تو یہی انسان نہایت خیرہ چشمی سے پلٹ کر جواب دیتا ہے۔ کہ کیا وہاں بھی کھانے پینے کی یہ آرزوئیں ہمارا پیچھا نہ چھوڑینگی یہ کیسی جنّت اور کیسی نجات ہے —— حالانکہ اسے خوب معلوم ہے، کہ اس کے دل کی گہرائیوں میں یہ خواہشیں اور آرزوئیں کتنا مچلتی اور بے قرار رہتی ہیں —— تاویل آیت کی یہ صورت کہ اس سے مراد ماقبل کے کوائف جنت ہیں، اس وقت نکھرے گی، جب آپ سورۂ مدثر کی اس آیت کو سامنے رکھیں گے جس میں جہنّم کی کیفیتوں کو بیان کیا گیا ہے، اور کہا گیا ہے، کہ اسی اندازِ بیان سے بہتیروں کو ٹھوکر لگتی ہے، اور بہتیرے ایسے ہیں، جن کا ایمان و سرور بلیوں اُچھلتا اور بڑھتا ہے۔ دونوں میں فرق صرف یہ رہے گا، کہ وہاں کوائف جنت ٹھوکر کا سبب بنے تھے اور یہاں کوائف جہنّم، آیت یہ ہے:

وما جعلنا اصحاب النار الا ملٰئکة وما جعلنا عدتهم الا فتنة للذين كفروا ليستيقن الذين اوتوا الكتاب ويزداد الذين امنوا ايماناً ولا يرتاب الذين اوتوا الكتاب والمؤمنون وليقول الذين فى قلوبهم مرض والكفرون ماذا اراد الله بهذا مثلا كذلك يضل الله من يشاء ويهدى من يشاء۔

اور ہم نے جہنّم پر فرشتوں ہی کو متعین کیا ہے، اور ان کی جو یہ تعداد رکھی ہے، تو اس لئے تاکہ کافروں کیلئے یہ ابتلاو آزمائش کا موجب ہو، اور وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے، ان کو یقین آئے اور مومنوں کا ایمان اور بڑھے، اور اہلِ کتاب اور مسلمانوں کے لئے شک کا کوئی موقع نہ رہے، اور جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کا روگ ہے یا جو کھلے بندوں کافر ہیں وہ کہہ اُٹھیں کہ خدا کا اس مثال سے کیا مقصد ہے خدا اسی طرح جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

پانچواں، اس کو زیادہ وضاحت سے سمجھنے کے لئے یہ بھی ممکن ہے، کہ آپ جنت کو کوئی مکانی اور زمانی چیز نہ قرار دیں، بلکہ ایک نفسی حقیقت گردانیں جس کا تعلق اس عالم مثال سے ہے، جو شاہ ولی اللہ کے نزدیک عالمِ مادی اور عالمِ معنوی کے عین بیچوں بیچ واقع ہے۔